ایک پیکرِ محبوبی، ہشت پہلو شخصیت

مولانا رشید احمد حقانی مہتمم جامعہ مدنیہ پارک ضلع ڈی آئی خان

مولانا آزاد کے متعلق حضرت ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ وہ ہشت پہلو شخصیت تھے ہمارے حضرت شیخ الحدیث بھی علمی و عملی اخلاقی اور روحانی کمالات کی وجہ سے اسی قول کے مصداق ہیں۔ موصوف کسی ایک صفت کے حامل نہیں تھے بلکہ حضرت شیخ کی کسی ایک صفت کو دوسری صفات پر بظاہر ترجیح بھی نہیں دی جا سکتی۔

ہر صفت اپنی جگہ کامل اور تام تھی جبکہ حضرت کی ذات ان کے درمیان جامع اور مانع تھی یوں تو علمی شخصیتیں ہر زمانے میں کافی زیادہ ہوتی ہیں ان کی علمیت کی وجہ سے ان کی ذات بھی موثر ہوتی ہے مگر جس چیز کی زیادہ سے زیادہ قلت محسوس کی جاتی ہے وہ تواضع انکساری اور اخلاق کا مظاہرہ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث کی ذات اس صفت میں بالکل منفرد تھی ملنے والا چاہے عالم ہوتا چاہے جاہل، غریب ہوتا یا امیر، بوڑھا ہوتا چاہے جوان، نہ صرف آپ سے متاثر ہوتا بلکہ ملاقات کے دوران آپ کی مسحور کن شخصیت میں کھو جاتا اور ملاقات کے بعد آپ کی ایک ایک خوبی اور کمال کو کسی محبوب کے ناز و ادا کی طرح یاد کرتا۔ حضرت مدنیؒ کی جامع شخصیت سے ہر شاگرد اور مرید نے اپنی صلاحیت کے مطابق خوشہ چینی کی۔ کسی نے علم حدیث کی سمجھ لی کسی نے علم تصوف کے احسان کے مدارج طے کر لیے مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نے انکساری اور تواضع کا پورا باب ان سے سمیٹ لیا تھا۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ کے مصداق پرانے بزرگوں کی مہمان نوازی نفسی عاجزی اور اپنے آپ کو مٹانے کی باتیں کتابوں میں پڑھی جاتی ہیں مگر قاری کسی نہ کسی حد تک ان کو مبالغے پر محمول کرتا ہے مگر حضرت شیخ الحدیث کے اخلاق کو دیکھ کر واقعی انسان اس یقین کامل تک پہنچ جاتا تھا کہ حضرت مدنیؒ یا ان کے اساتذہ خصوصاً حضرت نانوتویؒ کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ واقعی سچ ہے علم کو سمیٹنا آسان ہے مگر علم کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنا بہت مشکل کام ہے۔ پیغمبرؐ نے مکہ مکرمہ میں جو تیرہ سالہ محنت کی تھی وہ آسمانی علم کے مطابق نہ صرف جماعت کو تیار کرنا تھا بلکہ جماعت کے ہر فرد میں ایسی اسپرٹ اور طاقت بھرنی تھی کہ ہر ایک فرد پوری جماعت کا قائم مقام بن سکے اسی سے قرآن نے ویزکیھم کے ساتھ تعبیر کی ہے اور اسی کو حضرت عائشہؓ نے وکان خلقه القرآن کہا ہے اور اسی کے لیے حضرات صوفیاء نے سالہا سال کے مجاہدے مقرر رکھے ہیں اور اسی چیز کو کسی خالص مسلمان میں دیکھ کر غیر مسلم بغیر کسی دعوت اسلام کے مسلمان بن جاتے ہیں۔

یہاں ایک لطیفہ بلکہ نکتہ قابل ذکر ہے حضرت استاد محترم قاری عبدالرحمن صاحب ڈیروی کے ساتھ ایک مجلس میں وقت کے علماء اور صلحاء کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ میں زیادہ وقت کسی بزرگ کے ساتھ نہیں بیٹھتا کیونکہ ہر انسان میں بشری کمزوری ہوتی ہے اور مبادا اس کمزوری کو دیکھ کر اس شخصیت کے خلاف دل میں کدورت پیدا ہو جائے۔ یہ بات کسی نہ کسی حد تک صحیح ہو سکتی ہے مگر میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت شیخ الحدیث کی شان اس معاملے میں شاعر کے اس قول کا مصداق تھی۔

یزیدك وجهه حسنا اذا ما زدته نظرا

جس طرح عربی کے ایک مقرر کے متعلق کسی عالم نے کہا ہے کہ ہر اچھے اور بہترین مقرر کی تقریر سن کر سامع یہ کہتا ہے کہ کاش تقریر یہاں ہی ختم ہو جائے کہیں آگے جا کر غیر مناسب بات زبان سے نہ نکلے مگر اس مقرر کی ہر بات کے بعد سامع یہی کہتا ہے کہ آگے بڑھتا جائے۔

اسی طرح حضرت شیخ الحدیث کی محفل میں ایک طرح ان کا ایک محسوس جمالی رعب ہوتا ہے جس کی وجہ سے سارے لوگ ہمہ تن اسکی طرف متوجہ ہوتے تھے۔

دوسرے دل و دماغ کو لبھانے والی باتیں ہوتی تھیں جس کی وجہ سے کسی قسم کی بوریت نہیں ہوتی تھی۔ تیسری طرف آہستہ آہستہ علمی، عملی اور روحانی کمالات کا اظہار ہوتا تھا گویا وہ ایک خاموش پرسکون، پررعب اور گہرے سمندر تھے جو تیراک کو آہستہ آہستہ نگلتا ہے اس کی خاموشی کو دیکھ کر ہر ایک یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو جلدی عبور کر لوں گا مگر جب درمیان میں پہنچ جاتا ہے تو سینکڑوں پل کی گہرائی اس کو نیچے لے جاتی ہے۔

ان کی کسر نفسی کا ایک عجیب و غریب واقعہ یاد آیا حضرۃ شیخ الحدیث

ی یہ عادت تھی کہ ہر کہہ ومہہ سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ مہمان جو دور دراز سے زیارت کے لیے آتے تھے ان سے بھی اُلٹا اپنے لیے دُعا کرا لیتے تھے۔

ایک دن ہمارے کمرے کے ایک ساتھی (مولانا عبدالرؤف) عصر کے وقت ان سے ملنے ان کی مسجد میں گئے۔ حضرت شیخ الحدیث نے اپنی عادت کے مطابق ان سے دعا کے لیے کہا واپسی پر اس ساتھی نے کمرے کے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ اب میری بزرگی میں کوئی شک نہیں رہا کیونکہ حضرت شیخ الحدیث جیسی شخصیت نے آج مجھے دعا کے لیے کہا ہے۔

شاعر کی بات یا تو اس لیے مبالغہ اور فضول لگتی ہے کہ وہ ایک خیالی، ذہنی اور تصوراتی دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے اور دریا کو کوزے میں بند کرکے دوسروں کو اس طرح بننے کی دعوت دیتا ہے جو کہ ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہوتا ہے مثلاً علامہ اقبالؒ کہتا ہے:

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار بنتا ہے

اب اپنی ہستی کو مٹانے کے لیے ایک مہدی کی محنت چاہیئے دانے کی طرح کون تین چار مہینے تک ذلت اور کسمپرسی کی حالت میں مٹی میں دبنا چاہتا ہے۔

رفعت دنیاوی اور اخروی کے لیے شاعر نے عجیب اکسیر بتلائی ہے مگر کون اس طوفان سے گزرے حضرت شیخ الحدیثؒ کو دیکھ کر ذہن ایک عجیب حیرانگی اور کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا ہے انہوں نے نہ صرف ایک مرتبہ کسی خاص وقت کے لیے اپنی ہستی کو مٹایا تھا بلکہ یہ ان کا ایک مسلسل عمل تھا اور باوجود رفعت و بلندی کے وہ اپنے آپ کو شاہوا خیال کرتے تھے۔

سچ ہے الاستقامۃ فوق الکرامۃ، کیونکہ کرامت تو چند لمحوں کیلئے ظاہر ہوکر ختم ہوجاتی ہے مگر استقامت تو ہمیشگی صبر اور پختگی کا نام ہے۔ کرامت میں تو عزت شہرت اور تن آسانی ہے جبکہ استقامت ایک خلاف الفطرت اور خلاف عادت چیز کو برداشت کرنے کا نام ہے۔

آخری عمر میں بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھاتے وقت دو زانو بیٹھ کر چھوٹے نسخے والی کتاب ایک ہاتھ میں پکڑ کر آنکھوں کے نزدیک رکھتے تھے اور اس ہیئت پر دو دو گھنٹے پڑھاتے تھے جبکہ اس زمانے میں انہوں نے عمر کی آخری سرحدیں عبور کی تھیں اور ایک عارضی بلکہ مستعار زندگی گزار رہے تھے۔

حضرت شیخ کی زندگی کا یہ کوئی ایک آدھ واقعہ نہیں ہے بلکہ ان کی زندگی ان چیزوں سے عبارت تھی بڑے بڑے عالم، مصلح اور سیاسی مدبر جب زندگی کی آخری سیڑھیاں طے کرنے لگ جاتے ہیں تو طبیعت میں نزاکت، حساس پن، بے صبری اور غصے کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، بات بات پر جھڑکنا شروع کردیتے ہیں جس کی وجہ سے گھر والے، معتقدین اور شاگرد برسات کے بادل کی طرح منتشر ہوجاتے ہیں مگر حضرت شیخ الحدیث تو اسوہ پیغمبر کے جیتے جاگتے نمونہ تھے وہ تو ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولك میں انفضاض ثانی از وجہ انفضاض اول کے مصداق تھے۔

حضرت رومی نے ایک تمثیلی نظم میں اپنے زمانے کے قحط الرجال کا شکوہ کرتے ہوئے خواص لوگوں کی ایک عجیب تصویر کشی کی ہے فرماتے ہیں۔

دی شیخ با چراغ ہمے گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم انسانم آرزو است
زیں ہمرہاں سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزو است

انہوں نے لوگوں کے اندر کے دل و دماغ قلب و جگر ذہن اور ضمیر کی عجیب منظر کشی کی ہے دام اور دد کی نفرت انگیز صفات حسد، بغض، کینہ، حب مال وجاہ، حب دنیا، حرص لالچ، ایک دوسرے کو دبانے بلکہ معدوم کرنے کی کوششیں یہ اگر حکیم رومی کے زمانے میں تھیں تو آجکل تو پورے عروج پر ہونی چاہئیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی زمانے میں اپنوں میں اختلافات جب زور پکڑ گئے اور ہر ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ، الزام بہتان تراشی، مغربی سیاست کی طرح اسلامیات والوں کا شیوہ بن گیا تو ان حالات میں بھی حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کو بالکل پروقار، پرقناعت اور پیکر تسلیم و رضا پایا۔

حضرت رومی نے دوسرے شعر میں بعض مخلص دوستوں کی سستی کا گلہ کیا ہے کہ ان کا باطن تو اگرچہ ٹھیک ہے مگر اصلاحی اور انقلابی قدم اٹھانے میں وہ بڑے سست ہیں منزل مقصود ان کو بہت دور نظر آتی ہے وہ ہر وقت تھکے ہارے نظر آتے ہیں وہ خود بھی مایوس ہیں اور دوسروں کو بھی مایوس کر دیتے ہیں ان کے پاس فلسفہ تو ہے مگر عمل نہیں دل و دماغ تو ہے مگر اس میں حرارت نہیں۔ ہاتھ تو ہیں مگر ہاتھوں میں پکڑ نہیں۔ زبان تو ہے مگر اس میں سلاست اور روانی نہیں آنکھیں تو ہیں مگر ان میں چمک اور نور نہیں، پاؤں تو ہیں مگر ان میں قوت رفتار نہیں۔

وہ دراصل ایک ایسی شخصیت کی تلاش میں ہیں جو اس مارے قافلے کو بارش آندھی تاریکی اور سردی میں ڈھانک کر منزل مقصود تک پہنچا دے ہر زمانے میں ایسی شخصیت کوئی نہ کوئی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ بھی ایک ایسے میر کارواں تھے جس کی نگاہ بلند تھی سخن دلنواز تھا اور جان پرسوز تھی آخری دم تک مدرسے کے کاموں سے غافل نہیں ہوتے معمولی معمولی تفصیل سے آگاہ رہتے تھے ایسی عمر میں جس میں اکثر لوگ اپنے آپ کو ہر چیز سے فارغ کر دیتے ہیں) بھی وہ

ہر چھوٹے بڑے معاملے سے نہ صرف باخبر ہوتے بلکہ ہر چیز پر حاوی تھے طالب علموں کے ساتھ ان کا رویہ آخری لمحے تک پدرانہ اور مشفقانہ تھا۔ آجکل خواص علما میں جس چیز کی کمی ہے وہ تربیت ہے زمانے کے حکمرانوں کی طرح اساتذہ شاگردوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں ان کو رعایا اور غلام سمجھتے ہیں ان کے ساتھ ملنا جلنا، نشست و برکات تو درکنار علیک سلیک بھی معیوب سمجھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استاد کا کوئی اثر طالب علم پر ہوتا ہے اور نہ طالب علم استاد سے کوئی اثر قبول کرتا ہے۔

اور یہ ہماری سرحد اور بلوچستان کے علاوہ اتنی عام ہے کہ استاد اور شاگرد کے درمیان کالج اور یونیورسٹی کے ماحول جیسا بُعد نظر آتا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ خود اساتذہ طالب علموں کی بے وفائی اور بے راہ روی کا رونا روتے ہیں کہ یہاں سے فارغ ہو کر نہ وہ ہمیں پہچانتے ہیں اور نہ ہماری عزت کرتے ہیں۔

چہ جائیکہ ہمیں عملی زندگی میں اپنے لیے ہدایت کا مینار قرار دیدیں مگر حضرت شیخ الحدیثؒ کی شان اس معاملے میں بالکل نرالی تھی پرانے فضلاء سے لے کر نئے فضلاء تک ہر ایک کا نام، شخصیت اور حلیہ سب کچھ یاد ہوتا تھا ہر طالب علم سے فرداً فرداً اس کی تکلیف کا پوچھتے۔ گرمی سردی، رہائش قیام اور طعام ہر چیز کے متعلق تفصیلاً معلومات حاصل کرتے۔

عصر کے وقت حضرت شیخ کی مسجد میں قدیم اساتذہ سے لے کر نئے شاگردوں تک کا ایک حلقہ قائم ہوتا جس میں دیوبند کے حالات، اساتذہ کے واقعات، قرآن و حدیث کے مسائل، زمانے کے نئے فتنوں کے متعلق سوچ و بچار اور ان کا حل غرضیکہ بیسیوں قسم کے مسائل پیش ہوتے جس سے ہر قسم کا آدمی مستفید ہوتا مولانا عبدالقیوم حقانی نے حضرتؒ کے ان ہی مجالس کو "صحبتے با اہل حق" میں محفوظ کر دیا ہے۔

آخر میں ایک بات پر اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں ہم تو یہ سنتے ہیں کہ فلاں ادیب کی عبارت سہل ممتنع ہے شخصیت سہل ممتنع نہیں سنی مگر قربان ہو جاؤں حضرت شیخ پر ان کی ذات بھی سہل ممتنع تھی ان کی گفتار و کردار اور رفتار یہاں تک کہ کسی بات کا تکرار بھی سہل اور قابل تقلید و قابل نقل نظر آتی تھی ہر چیز بامعنی اور قابل سمجھ تھی خواص تو خواص عوام بھی بخاری شریف کے اسباق سے مستفید ہوتے تھے ان کی کرامت سمجھتے کہ ان کی گفتگو یا درس کا جس نے بھی ترجمہ پیش کیا وہ بھی اس کو مشکل الفاظ اور مشکل تراکیب کے قالب میں نہ ڈال سکا یہ تو اس کا سہل پن تھا۔

مگر ممتنع اس طرح تھا کہ کوئی آدمی نہ اس کی طرح نرم گفتار پیش کر سکتا ہے اور نہ کردار بلکہ اب تو یہ باتیں آئندہ نسلوں کے لیے افسانہ بن جائیں گی کیونکہ جن باتوں کی عملی شکل نہ ہو وہ تو ایک افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

مطبوعات مؤتمر المصنفین (۲۷)

حیاتِ صدر المدرسین

متکلمِ عصر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی رحمۃ اللہ علیہ
صدر المدرسین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جس میں
آپ کے خاندانی مشائخ و اساتذہ کا تعارف، حالاتِ زندگی، کمالات و خصوصیات، علمی و ادبی خدمات اور دیگر امتیازات پر مفصل تبصرہ اور تعارف آگیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب صرف حضرت مرحوم کی سوانح حیات ہے بلکہ دار العلوم حقانیہ کی اجمالی تاریخ بھی ہے۔

مرتب
مولانا محمد ابراہیم فانی (زروبی) مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

قیمت: ۱۲۰ روپے